میرا پیغام محبت ہے
جہاں تک پہنچے!

بہ موقع: بین الاقوامی سیرتِ نبوی سیمینار

۱۱-۱۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ، ۲۰-۲۳؍فروری ۲۰۱۶ء

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وأصحابہ اجمعین ، أما بعد ۔

عزیزان گرامی ! معہد کے قیام پر پندرہ بلکہ سولہ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، جیسے افراد کا ایک خاندان اور کنبہ ہوتا ہے، ایک دوسرے سے ملاقات کی خواہش ہوتی ہے اور مل کر خوشی ومسرت کا احساس ہوتا ہے، ایک دوسرے کے حالات سننے، ان کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے اور یاد ماضی کو کُریدتے ہوئے حالِ امروز سنانے کا موقع بہم پہنچتا ہے، اسی طرح اداروں کی حیثیت بھی ایک خاندان اور کنبہ کی ہوتی ہے، اس خاندان کی بنیاد نسبی رشتہ کی بجائے دینی وعلمی رشتہ پر ہوتی ہے اور یہی رشتہ ایک مسلمان اور عالم دین کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہونا چاہئے، اسی پس منظر میں یہ سیمینار رکھا گیا ہے؛ تاکہ آپ حضرات سے باہم ملاقات کا موقع میسر ہو، ہم ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھائیں اور آپ ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ یہاں سے واپس جائیں۔

عزیزان گرامی ! اس موقع پر میں چند ضروری باتوں کی طرف جو موجودہ حالات میں نہایت اہمیت کی حامل ہیں، آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں :

برادرانِ وطن سے ربط وتعلق

ان میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُخوت و بھائی چارہ کے مختلف دائرے مقرر فرمائے ہیں، ایک رشتۂ اُخوت وہ ہے، جو اُخوت و بھائی چارہ کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، ایک وہ ہے جس کی بنیاد دین ومذہب ہے، اس رشتہ کے لحاظ سے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' (الحجرات: ۱۰) اسی طرح ایک اور رشتہ انسانی بنیادوں پر اُخوت و بھائی چارہ کا ہے کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں، خواہ وہ کسی مذہب کے ماننے والے، کسی علاقے کے رہنے والے اور کسی زبان کے بولنے والے ہوں، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو: ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا'' (النساء:۱) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے تمام بندے بھائی بھائی ہیں: ''ان العباد کلھم اخوۃ'' (ابوداؤد، کتاب الوتر، حدیث نمبر: ۱۵۰۸) اسلام کا یہ تصور ہمیں اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ برادرانِ وطن کے ساتھ ہمارا تعلق برادرانہ اور دوستانہ ہونا چاہئے۔

ہمیں غیر مسلم بھائیوں سے نفرت کرنا نہیں سکھایا گیا ہے؛ بلکہ ہمیں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے، گذشتہ زمانہ میں علماء اور بالخصوص صوفیاء کے یہاں بہت سی مثالیں ملتی ہیں، تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ امام ابوالعلاء کبھی کبھی ہمدان سے اپنے وطن جمعہ پڑھنے جایا کرتے تھے، جب وہ تشریف لے جاتے تو اہل شہر ان کو چھوڑنے کے لئے شہر سے باہر جاتے، ان میں جہاں مسلمان ہوتے، وہیں یہودی بھی ہوتے تھے اور ان کو دُعا دیا کرتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ: ۸۲۰/۴) غیر مسلم بھائیوں کے مسلمان علماء سے تعلق کا حال یہ تھا کہ جب ایک تابعی عالم امام منصور کا جنازہ اُٹھایا گیا تو مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں کے گروہ بھی ان کے جنازہ میں شامل تھے، (تذکرۃ الحفاظ: ۱۸۷/۴) عام علماء کے مقابلہ صوفیاء کو اس سلسلہ میں خصوصی امتیاز حاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں اسلام کی اشاعت میں ان کا نمایاں کردار رہا ہے، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جن لوگوں کو مسلمانوں سے سخت نفرت اور اسلام کے نام سے اِلَرجی ہے، وہ بھی ان صوفیاء کے مزارات پر کمال عقیدت اور غایت احترام کے ساتھ پہنچتے ہیں اور اپنے تصور کے مطابق نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں، خود ماضی قریب کے علماء شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ وغیرہ کا اپنے ہم عصر ہندو سیاسی و مذہبی قائدین سے قریبی تعلق رہا ہے۔

آج پھر اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اپنے گرد و پیش رہنے والے اہل وطن بھائیوں کے ساتھ برادرانہ تعلق استوار کریں اور ایک دوسرے کے یہاں مختلف مناسبتوں سے آمد و رفت رکھیں، یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم کی عیادت بھی کی ہے، ان کو مدعو بھی کیا ہے اور ان کی دعوت بھی قبول فرمائی ہے، ان کے تعلیمی اداروں کا معائنہ بھی فرمایا ہے، انھیں مسجد میں ٹھہرایا ہے اور ان کی ضیافت بھی کی ہے، حضرت ابوطالب کے جلوس جنازہ میں شرکت فرمائی ہے، جب مکہ کے لوگ شدید قحط میں مبتلا تھے تو ان کے لئے قحط سے

نجات کی دُعا بھی کی ہے اور ان کا خطیر مالی تعاون بھی فرمایا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں اور بڑی عمر کے لوگوں کے احترام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مطلق حکم دیا ہے اور اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اسی طرح آپ نے ابوجہل کو 'ابوالحکم' اور بادشاہ روم کو 'عظیم الروم' سے خطاب فرمایا ہے، جس میں ان کی توقیر کا پورا پورا لحاظ ہے۔

غرض کہ آپ کا اُسوہ یہی ہے کہ غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بہتر تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کی جائے، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر مسلمان سیاسی قائدین برادران وطن سے اپنے رابطے استوار کریں تو بجا طور پر انھیں خیال ہوگا کہ یہ رواداری سیاسی مفادات کے لئے ہے، اگر مسلمان تجاران سے کاروباری رابطہ بہتر بنائیں تو خیال ہوگا کہ یہ ربط وتعلق مالی مفادات کے پس منظر میں ہے؛ لیکن اگر علماء ومشائخ بے لوث طریقہ پر غیر مسلم بھائیوں سے اپنے رابطے استوار کریں تو وہ محسوس کریں گے کہ انسانیت نوازی مذہب اسلام کی تعلیم ہے، اوران کا دین انھیں انسانی بنیادوں پر حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے؛ اس لئے آپ کے برادران وطن سے تعلقات کو بہتر بنانے اور برادارانہ ماحول کو وجود میں لانے سے ایک طرف ان کے اندر مسلمانوں کے تئیں نفرت دُور ہوگی اور دوسری طرف ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت قائم ہوگی؛ اس لئے آپ اس پر خوب توجہ دیں۔

خدمتِ خلق

حضرات! ماحول کو موافق بنانے اور مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کو قریب کرنے کا ایک بڑا ذریعہ خدمتِ خلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ نبوت کے پہلے ہی سے اعلیٰ اخلاق اور خدمت خلق کے غیر معمولی جذبات سے نوازا گیا؛ اسی لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گھبراہٹ کی کیفیت تھی تو اس وقت اُم المومنین نے جن پانچ اوصاف کا ذکر فرمایا — رشتوں کا لحاظ، لوگوں کے بوجھ کو اُٹھانا، ناداروں کی دستگیری، مہمان نوازی اور مصیبت کے وقت مدد — ان سب کا تعلق خدمت خلق ہی سے ہے: ''إنک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق'' (بخاری، عن عائشہؓ، حدیث نمبر: ۳) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور کھانا کھلانے کے بعد ان پر اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۳/۴۰)

خدمت خلق ایسی چیز ہے جو انسان کو اللہ کی نظر میں بھی محبوب بناتی ہے اور اس کی مخلوق کی نظر میں بھی؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہیں، اور اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے، جو اس کے کنبہ کے لئے نفع بخش ہو: ''**الخلق کلھم عیال اللہ فأحب الخلق الی اللہ انفعھم لعیالہ**'' (المعجم الکبیر للطبرانی، عن عبداللہ بن مسعود، حدیث نمبر: ۱۰۰۳۳) دوسری طرف خدمت خلق سے انسان مخلوق کے درمیان بھی محبوب بنتا ہے، یہ انسانی فطرت اور شب و روز کا مشاہدہ ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''**تھادوا تحابوا**'' (مؤطا امام مالک، باب ما جاء فی المہاجرۃ، حدیث نمبر: ۱۶) میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے، لوگوں کا متاثر اور گرویدہ ہونا مخلوق کی خدمت کا ایک فطری اور طبعی اثر ہے، جیسے آگ میں گرم کرنے اور برف میں ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خدمت اور حسن سلوک میں قلوب کو گرمانے اور نرمانے کی صلاحیت رکھی ہے، یہ کام نہ صرف انفرادی طور پر کرنا چاہئے؛ بلکہ ضرورت ہے کہ مدارس اور مساجد میں بھی ایک شعبہ، خدمتِ خلق کے کاموں کا ہونا چاہئے، جو بلا تفریق مذہب انسانیت کی خدمت کا فریضہ انجام دیتا ہو۔

دعوتِ دین

عزیزانِ من ! برادرانِ وطن سے تعلق اور خدمت خلق مقصود بھی ہے اور وسیلہ بھی، منزل بھی ہے اور راستہ بھی، خود اجر و ثواب کا کام ہے اور اس سے بڑے اجر و ثواب تک مسلمان کو پہنچاتا ہے، اور وہ ہے دعوت واصلاح کا کام، جو ہر مسلمان کا فریضۂ منصبی اور مقصد حیات ہے: ''**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ**'' (آل عمران: ۱۱۰) اس وقت مسلمان مختلف ملکوں اور خاص کر ہندوستان میں جس صورت حال سے دوچار ہیں، اس کا واحد حل اسلام کی تبلیغ واشاعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی تھی کہ اگر تم کو دین کی ایک بات معلوم ہو تو اسے بھی دوسروں تک پہنچاؤ: ''**بلغوا عنی ولو آیۃ**'' (بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۲۷۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں صحابہؓ سے شہادت لی کہ ہم نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا، پھر حکم فرمایا کہ ہر شخص جو موجود ہو، وہ غائب شخص تک تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے: ''**فلیبلغ الشاھد الغائب**'' (بخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۶۵۲) ہر شخص جو دامن اسلام میں آچکا ہے، وہ گویا شاہدین میں شامل ہے؛ کیوں کہ اس نے

کلمہ اسلام کی شہادت دی ہے اور ہر شخص جو اسلام سے محروم ہے، وہ غائبین میں شامل ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کی اور بالخصوص علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ برادرانِ وطن تک اسلام کی امانت کو پہنچائیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک فرد کو بھی ہدایت دے دیں، تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے'' (بخاری، باب مناقب علی، حدیث نمبر: ٣٠٠٩) سوچئے، کیا ہمیں حضور ﷺ کی ضمانت پر اعتماد نہیں ہے یا کیا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام یہ ہے کہ جب کوئی گروہ دعوت اسلام کا فریضہ انجام دیتا ہے تو اس پر دنیا میں تین قسم کے نتائج مرتب ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ اپنے مدعوئین کے شر سے محفوظ ہوجاتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ حاصل ہوتا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا: ''بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ'' (المائدۃ: ٦٧) گویا عصمت من الناس کا غیبی ذریعہ تبلیغ دین ہے، دوسرا اثر یہ ہے کہ اس سے نفرت کی آگ بجھتی ہے، محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجاتی ہے، قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ'' (حم السجدۃ: ٣٤) تیسرا اثر یہ ہے کہ مدعوئین اگر دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کردیں اور ظلم وتعدی پر کمر بستہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب بھیجتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کی نصرت فرماتے ہیں، قرآن مجید میں جن مُعذَّب اقوام کا ذکر آیا ہے، ان کی تاریخ دیکھ لیجئے، ان تک اللہ کا پیغام پہنچ گیا؛ بلکہ پہنچانے کا حق ادا کردیا گیا، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور انھوں نے ظلم وتعدی کا راستہ اختیار کیا، تب جاکر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی پکڑ ہوئی، جن تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو، وہ منکرین اور معاندین نہیں ہیں، وہ غافلین ہیں اور ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے دنیا میں عذاب نہیں آتا: ''وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ''۔ (یوسف: ٣)

ہندوستان کی صورت حال یہی ہے؛ اس لئے سیاسی تدبیریں وقتی طور پر تو مسئلہ کو حل کرسکتی ہیں، یا دشواری میں کمی کا سبب بن سکتی ہیں؛ لیکن یہ مستقل حل نہیں ہے، اصل حل دعوت الی اللہ ہے اور اُمت میں کوئی کام اسی وقت مقبول ہوتا ہے، جب علماء اس کام سے جڑ جائیں؛ اس لئے آپ تمام عزیزوں سے میری التجا ہے کہ آپ اس کام کو اپنے لئے اوڑھنا بچھونا بنالیں، آپ کا یہ عمل

اخلاص، انسانیت کی خیر خواہی، رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور خالص دینی جذبہ کے تحت ہو تو آپ کو دیکھ کر اُمت کے وہ لوگ بھی اس میں شریک ہوجائیں گے، جو آپ سے متاثر اور مانوس ہیں، اس طرح چراغ سے چراغ جلتا جائے گا اور روشنی بڑھتی جائے گی۔

دفاعِ اسلام

برادرانِ عزیز ! موجودہ حالات میں ایک اہم کام غلط فہمیوں کو دُور کرنا ہے، جو اسلام کے بارے میں پھیلائی جارہی ہیں، پہلے اسلام مخالف پروپیگنڈہ تاریخی اور فکری کتابوں میں اور مغربی یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبہ کے پی ایچ ڈی مقالات میں ہوا کرتے تھے؛ لیکن اب الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کی وجہ سے بے بنیاد اور بے سر و پا باتیں گھر گھر پہنچائی جارہی ہیں، اور سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کی الزام تراشیوں کی نہ کوئی سرحد ہے اور نہ ان سے کوئی حساب لینے والا، اس پس منظر میں علماء کا فریضہ ہے کہ وہ اس اہم کام کی طرف متوجہ ہوں، ہندوستان میں اکابر علماء شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ وغیرہم نے اس کام پر خصوصی توجہ دی اور موثر انداز میں معاندین کے سوالات کے جواب دیئے، گذشتہ زمانہ میں غلط فہمیوں کو پھیلانے کے ذرائع محدود تھے اور ان کی رسائی بھی محدود تھی؛ اس لئے ایک دو اشخاص کی کوششیں کافی ہوجاتی تھیں؛ لیکن اب ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری اور اس کی وسیع تر رسائی، نیز اس کے بہت زیادہ غلط استعمال کی وجہ سے چند اشخاص کی توجہ کافی نہیں ہے، اب پورے طبقہ علماء کو اس کے لئے تیار ہونا چاہئے۔

قرآن مجید نے اسی فریضہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: ''اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' (النحل:۱۲۵) ایک اور موقع پر فرمایا: ''وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' (حم السجدۃ:۳۴) یہ 'جدال بالاحسن' اور 'دفاع بالاحسن' کا حاصل یہی ہے کہ بہتر طور پر اسلامی افکار، اسلامی شریعت، اسلامی تعلیمات، اسلامی علوم و معارف اور اسلامی شخصیات و مقدسات کا دفاع کیا جائے، یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے اور ''احسن'' کہا ہے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اصلاح و موعظت، تزکیہ و تربیت اور تعلیم و تدریس کے لئے تو اچھا طریقہ

کافی ہے، جیسا کہ فرمایا گیا: ''اَلْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ''، لیکن اسلام کے دفاع اور معاندین کے رد کے لئے وہ طریقہ مطلوب ہے، جو سب سے زیادہ بہتر اور موثر ہو، جو صرف اچھا نہ ہو سب سے اچھا ہو اور جو صرف بہتر نہ ہو بہترین ہو، اور یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے، جب آپ کے اندر تین باتیں جمع ہوں :

(۱) **بصیرت :** یعنی آپ کو جو بات پیش کرنی ہے، اس کے بارے میں گہری معلومات اور وسیع مطالعہ: ''اَدْعُوْٓا اِلَى اللهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ'' ۔(یوسف:۱۰۸)

(۲) **زبان وقلم میں نرمی ودل نوازی :** جس کو قرآن نے 'قول لیّن' سے تعبیر کیا ہے، (طٰہٰ : ۴۴) اچھی سے اچھی بات اگر تندی اور تلخی کے ساتھ کہی جائے یا لکھی جائے تو وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے، مخاطب کو لا جواب کرنا مقصود نہیں ہونا چاہئے، مقصود یہ ہے کہ اس کے دل پر دستک دی جائے۔

(۳) **موقع شناسی :** وقت اور مخاطب کی نفسیات کا شعور، جیسے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے مزاج کو دیکھتے ہوئے فرمایا: اگر تم اسلام قبول کر لوگے تو عرب وعجم تمہارے تحت آجائیں گے، (الدر المنثور: ۳۴۹/۴) یہ بات پوری طرح قریش کے مزاج کے مطابق تھی ؛ کیوں کہ انھیں عربوں میں قیادت کا مقام حاصل تھا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھتے تھے۔

اسی طرح ہمیں ہر سطح پر اسلام کی مدافعت کی خدمت انجام دینی چاہئے، کتابوں کے ذریعہ، اخبارات کے ذریعہ، سوشل میڈیا کے ذریعہ، مذاکرات کے ذریعہ، انفرادی ملاقاتوں اور اجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ۔

مقامی زبانوں سے واقفیت

عزیزو ! زبان جو ہمارے منھ میں ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہ زبان جو حروف والفاظ سے مرکب ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوقات میں ہے اور اظہار کا ایک اہم ذریعہ ہے، زبان کا خود کوئی مذہب نہیں ہوتا ؛ بلکہ وہ دوسرے مضامین کی طرح مذہبی تصورات کے لئے ذریعہ و وسیلہ بنتی ہے، افسوس کہ اِدھر ایک دو صدیوں سے مسلمانوں میں کچھ ایسی سوچ قائم ہو گئی کہ گویا زبانوں کا بھی ایک مذہب ہوتا ہے، فلاں زبان اسلامی ہے اور فلاں غیر اسلامی ؛ حالاں کہ اسلام میں عربی زبان کو یقیناً خصوصی اہمیت حاصل ہے ؛ کیوں کہ وہ قرآن وحدیث کی

زبان ہے، بقیہ تمام زبانیں برابر ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ادھر تقریباً بیس پچیس سال سے اس سوچ میں کسی قدر مثبت تبدیلی آئی ہے اور دینی مدارس میں بھی انگریزی زبان کی طرف توجہ دی جارہی ہے، یا اس کے لئے خصوصی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے؛ لیکن مقامی زبانوں سے غفلت؛ بلکہ بے اعتنائی و بے نیازی؛ بلکہ شاید اس سے بھی آگے بڑھ کر بے زاری کا سلسلہ آج بھی قائم ہے، اس ملک میں شمال کی بیشتر ریاستوں کی زبان ہندی ہے؛ لیکن مدارس میں اس زبان کا گذر نہیں، جنوبی ہند کی ریاستوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں؛ لیکن اکثر و بیشتر اس ریاست میں پیدا ہونے اور بسنے والے مسلمان اس زبان سے نابلد ہیں؛ بلکہ اسے ناقابل توجہ سمجھتے ہیں۔

اس رویہ نے برادرانِ وطن کے اور ہمارے درمیان فاصلے بڑھا دیئے ہیں، فرقہ پرست عناصر چاہتے ہی تھے کہ مسلمانوں کو تنہا کر دیا جائے، ان کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی، سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہم برادران وطن کے درمیان نہ اسلام کا تعارف کرا سکے، نہ ان کے درمیان دعوت کا کام کر سکے، اور نہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں، انھیں دُور کرنے میں کامیاب ہو پائے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا؛ تاکہ یہودیوں کی کتابیں سمجھی جاسکیں اور انھوں نے صرف دو ہفتوں میں یہ زبان سیکھ لی، (ترمذی، باب ماجاء فی تعلیم السریانیہ، حدیث نمبر: ۲۷۱۵) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک مقصد یہودیوں کی تحریف و تصحیف سے بچنا بھی تھا، (مسند عبد بن حمید: ۱۰۸، حدیث نمبر: ۲۴۳) اسی طرح حضرت سلمان فارسی کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کیا، (کشف الخفاء: ۲/۲۹۶) غالباً خلافت راشدہ ہی کے عہد میں ہندوستان کے ایک راجہ کے لئے ایک عرب سیاح نے قرآن کریم کا ہندی میں ترجمہ کیا، مسلمانوں نے ہمیشہ زبان کے معاملہ میں بے تعصبی برتی، انھوں نے یونانیوں کے پورے کتب خانہ کو عربی زبان میں منتقل کیا، فارسی زبان کی اتنی خدمت کی کہ آج فارسی کا جو کچھ لٹریچر موجود ہے، خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں، مسلمانوں کی ہی دَین ہے، ہندوستان میں اس کی واضح مثال 'کلیلہ و دمنہ' ہے، اس کی اصل کتاب کا تو شاید کوئی سراغ نہ ملے؛ لیکن عربی زبان میں ان کہانیوں کو منتقل کر کے عربوں نے اسے ایک طرح کا دوام عطا کر دیا۔

اس لئے یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسلمان بالخصوص علماء مقامی زبانوں پر توجہ

دیں اور اسے دعوتِ اسلام کا ذریعہ بنائیں، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں ان ہی کی زبان میں اپنا کلام اُتارا ہے اور ان کے ہم زبان شخص کو پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ'' (ابراہیم: ۴) اس لئے صرف کسبِ معاش، تجارت وکاروبار اور سیاسی مہم جوئی کے لئے نہیں؛ بلکہ اسلام کا تعارف اور اس کی اشاعت کے لئے دعوتی مقصد کے تحت مقامی زبانوں کو سیکھنا اور اس میں اسلامی لٹریچر کو پیش کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔

اس لئے میں آپ حضرات سے دردمندانہ گذارش کرتا ہوں کہ آپ داعیانہ کردار ادا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مقامی زبانوں کو ذریعۂ اظہار بنانے کی کوشش کریں، بے حد ضروری ہے، قرآن مجید کے مذکورہ ارشاد (ابراہیم: ۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے معاملہ میں داعی کو مدعو کی سطح پر اُتر کر دعوت کا فریضہ انجام دینا چاہئے، اگر ہم نے مخاطب تک ان کی زبان میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچائی تو ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوئے اور عنداللہ ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

برادرانِ عزیز ! یہ ساری باتیں جو آپ سے عرض کی گئیں: غیر مسلم ہمسایوں سے بہتر تعلق، خدمتِ خلق، دعوتِ دین، دفاع اسلام اور مقامی زبانوں کی واقفیت، ان ساری باتوں کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کا غلبہ واظہار ہے؛ لیکن جیسے گاڑی کا ڈھانچہ کتنا بھی اچھا ہو، اگر اس کے اندر پٹرول نہ ہو تو وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی، اسی طرح ان اعمال میں قوت وتاثیر اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان کے دل کی دنیا خدا کی محبت سے لبریز ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اس کا مطلوب ومقصود بن جائے؛ کیوں کہ جب انسان کے دل میں ایمان ویقین اور حبِ الٰہی کا نور پیدا ہوتا ہے تو اس کی روشنی سے اس کا پورا وجود جگمگا اُٹھتا ہے اور اس کی تابنا کی ماحول کو روشن کرتی ہے؛ اس لئے ہمیں ہمیشہ اس جانب متوجہ رہنا چاہئے کہ جہاں مخلوق کے ساتھ ہمارا تعلق بہتر ہو، وہیں خالق کے ساتھ بھی ہمارا رشتہ استوار ہو، ہم اپنے عمل کو رِیا، ناموری، شہرت وعوامی مقبولیت کے جذبہ اور دنیاوی اغراض ومفادات سے بچا کر رکھنے کی بھرپور کوشش کریں؛ کیوں کہ شیطان بڑا عیار ہے، وہ اچھے اچھے لوگوں کے اعمال کو بے اخلاصی میں مبتلا کر کے ضائع

کر دیتا ہے اور اس سے نہ صرف یہ کہ انسان آخرت کے اجر سے محروم ہو جاتا ہے؛ بلکہ دنیا میں بھی اس کے اعمال کی تاثیر ختم یا کم ہو جاتی ہے؛ اس لئے اصلاح باطن کی طرف سے غافل ہو جانا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی دل کا مریض اپنی ظاہری شکل وصورت کی تازگی کو دیکھ کر خیال کرنے لگے کہ اس کو کسی علاج کی ضرورت نہیں ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ اس کی صحت سے پورے وجود کی صحت اور اس کے بگاڑ سے پورے وجود کا بگاڑ متعلق ہے: ''ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله وإذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب''۔ (بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۵۲)

قلب کی اصلاح اور امراض قلب کے علاج کا نسخہ بھی قرآن وحدیث میں بتایا گیا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد: ۲۸) انسان بار بار جس چیز کا ذکر کرتا ہے، اس کا تصور ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے، اگر آپ اپنے گھر سے دُور ہوں اور آپ کے والدین اور بال بچوں کا ذکر آجائے تو آپ کی تڑپ میں اضافہ ہو جاتا ہے، شوقِ ملاقات بڑھتا ہے اور اپنے اہل تعلق کی تصویر آپ کے ذہن کی اسکرین پر گشت کرنے لگتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اللہ کی محبت بڑھتی ہے؛ اس لئے اپنی انفرادی زندگی میں کچھ وقت ضرور قلب وروح کی تازگی کے لئے بھی رکھنا چاہئے، غور کیجئے! انسان اپنی بیوی کے ساتھ وقت دیتا ہے، اپنے بال بچوں کے ساتھ وقت گذارتا ہے، ماں باپ کے ساتھ وقت لگاتا ہے، دوستوں سے ملاقات کے لئے وقت کا ایک حصہ خرچ کرتا ہے، اپنے کاروبار اور معاشی تگ ودو کے لئے تو وقت کا سب سے زیادہ حصہ لگاتا ہے؛ لیکن ہمارے پاس کیا کوئی ایسا وقت بھی ہے، جس میں ہم ہوں اور ہمارا خالق ہو، خدائے مالک الملک ہو اور اس کا غلام بے دام ہو، اس کے درمیان کوئی اور نہ ہو، وہ محبت اور درد کے ساتھ اپنے خالق کے نام کو دوہرائے، اپنی آنکھوں کو اشکہائے ندامت سے وضو کرائے، اپنے خدا کی چوکھٹ پر پیشانی رکھ دے، روئے اور بلبلائے، دستِ سوال پھیلائے، مانگے اور اس یقین کے ساتھ مانگے کہ اس در کے سوا کوئی در نہیں ہے، جہاں سے ہماری ضرورتیں پوری ہوں گی، بقول علامہ اقبالؒ :

عطار ہو ، رومی ہو ، رازی ہو ، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ، بے آہِ سحرگاہی

اس کے بغیر نہ زبان میں یہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں پر دستک دے سکے، نہ قلم میں ایسی طاقت آتی ہے، جو دماغ کو فتح کرلے، نہ اس کا علمی فیضان کما حقہ جاری ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور عظمت پیدا ہوتی ہے؛ اس لئے اس بات کا ضرور اہتمام کیجئے کہ آپ کے شب و روز کے اوقات میں کچھ وقت خالصتاً اللہ کے لئے ہو، جب کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آزمائش سے دوچار ہوں، یا کوئی باعث رنج امر درپیش ہو تو ظاہری اسباب و وسائل کی طرف توجہ کرنے سے پہلے نماز حاجت کا اور دُعا کا اہتمام کریں اور خالق کے سامنے دستِ سوال دراز کریں، علم اور دین کے معاملہ میں ہمیشہ اپنے آپ کو محتاج سمجھیں، اس راہ میں کامل وہی ہے، جو اپنے آپ کو ناقص سمجھے اور اس سے زیادہ کوئی محروم و کم نصیب نہیں، جس کو اپنے کامل و مکمل ہونے کا خیال پیدا ہو جائے، دنیا کے معاملہ میں قناعت متاعِ کامیابی ہے اور دین کے معاملہ میں قناعت سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں۔

تواضع اور اکابر نیز معاصرین کا احترام

جب انسان کے باطن کی اصلاح ہوتی ہے، تو جہاں اس کا تعلق اپنے خالق سے مضبوط ہوتا ہے، وہیں اس کے اندر اللہ کے بندوں کے لئے بھی تواضع و انکساری اور توقیر و احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جب تک انسان میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی ہے، اس کے ذریعہ دعوت و اصلاح کی خدمت انجام نہیں پاتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا: ''**وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ**'' (آل عمران: ۱۵۹) اس کا لحاظ قدم قدم پر ہونا چاہئے، لوگوں کے ساتھ آپ کی گفتگو میں شبنم کی ٹھنڈک، گلاب کی خوشبو اور قند و نبات کی مٹھاس ہونی چاہئے؛ کیوں کہ نرم خوئی اور نرم گفتاری انسان پر جو اثر چھوڑتی ہے، تند گوئی اور تلخ نوائی ہرگز وہ اثر پیدا نہیں کرسکتی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**ان اللہ رفیق یحب الرفق و یعطی علی الرفق ما لا یعطی علی العنف**'' (مسلم، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۲۵۹۳) اسی تواضع اور انکساری کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ جس تنظیم میں، ادارہ میں یا آبادی میں کام کر رہے ہوں، وہاں جو لوگ آپ سے عمر میں، عہدہ میں بڑے ہوں، ان کو مقدم رکھیں، ان کو بڑا بنا کر کام کریں، ان کی عزت و توقیر کو قائم رکھیں، جو آدمی چھوٹا بننا گوارہ کرتا ہے، اللہ اسی کو بڑا بناتے ہیں، نیچے کی سیڑھی ہی انسان کو اوپر تک پہنچاتی ہے، جو انسان جھکنا نہ جانتا ہو، اسے گرادیا جاتا ہے اور جس کو

اپنے بڑوں کے ساتھ جھکنے میں عار نہ ہو، اللہ اس کو بلندی سے نوازتے ہیں: ''من تواضع للّٰہ رفعه الله'' (مسلم، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۵۸۸) اکثر اوقات اس معاملہ میں نوجوان فضلاء کی بے اعتدالی انتشار کا باعث بنتی ہے، عوام میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ علماء ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرسکتے، کوشش کرکے اگر کوئی عہدہ حاصل کرلیا جائے تو بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ اس نے عزت حاصل کرلی ہے؛ لیکن حقیقت میں وہ لوگوں کی نظر سے گرجاتا ہے اور سب سے بڑا خسارہ یہ ہے کہ اللہ کی مدد اس سے اُٹھ جاتی ہے۔

سلف صالحین کو دیکھئے، وہ کس خلوص اور محبت کے ساتھ اپنے معاصرین کا اعتراف کیا کرتے تھے، حماد ابن زید کے علم حدیث میں مقام ومرتبہ سے کون واقف نہ ہوگا؟ وہ اپنے ہم عصر مشہور محدث شعبہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جب میرے اور شعبہ کے درمیان روایت کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہوجاتا ہے تو میں اپنی رائے چھوڑ کر شعبہ کی رائے اختیار کرلیتا ہوں؛ کیوں کہ ان کے اندر علم کی ایسی پیاس تھی کہ وہ ایک ہی حدیث کو اپنے شیخ سے بیس دفعہ سن لینے کے بعد بھی سیر نہیں ہوتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۷۵) امام شعبہ اور سفیان دونوں ایک ہی زمانے کے تھے اور اپنی اپنی جگہ مہر وماہ کا درجہ رکھتے تھے؛ لیکن شعبہ نے سفیان بن عیینہ کے بارے میں کہا: ''سفيان احفظ منى'' (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۸۴) یہاں تک کہ علماء اپنے چھوٹوں کے اعتراف میں بھی کوئی تکلف نہیں کرتے تھے، امام عطاءؒ اپنے زمانہ کے امام الائمہ تھے، امام ابوحنیفہ مدح وتوصیف میں بہت محتاط تھے، پھر بھی عطاء کے بارے میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، قاضی ابن ابی لیلیٰؒ کا پایہ بمقابلہ ان کے کم سمجھا جاتا ہے؛ لیکن عطاء بعض مسائل ابن ابی لیلیٰ سے دریافت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ابن ابی لیلیٰ مجھ سے بڑے عالم ہیں، (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۵۴) امام ابوحنیفہؒ عبداللہ بن ابن مسعودؓ کی درسگاہ فقہ وحدیث کے استاذ الاساتذہ تھے اور اس سلسلہ میں ان کا کوئی حریف نہیں تھا،؛ لیکن جب سفیان ابن عیینہؒ کوفہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا: تمہارے شہر میں وہ شخص آیا ہے جو عمرو ابن دینارؒ کے علوم کا حافظ ہے، امام صاحب کی اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ لوگ سفیان ابن عیینہ کے پاس اُمنڈ آئے؛ حالاں کہ اس وقت ان کی عمر صرف بیس سال تھی؛ اسی لئے سفیان ابن عیینہ کہتے تھے کہ مجھ کو سب سے پہلے جس شخص نے محدث بنایا، وہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ (ابن خلکان: ۱/ ۲۱۱)

تعلق مع اللہ — محبوبیت کا سبب!

جب انسان کے اندر تعلق مع اللہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو جہاں اس میں تواضع پیدا ہوتی ہے، وہیں عوام کے دل میں من جانب اللہ اس کی محبت پیدا ہوجاتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ جب اللہ کسی سے محبت کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں، اسلام کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی، کہ عام مسلمان بادشاہوں سے بھی زیادہ اپنے علماء ومشائخ کی قدر کرتے تھے، امام بخاریؒ جب نیساپور تشریف لائے تو بہت دور آگے بڑھ کر لوگوں نے ان کا استقبال کیا، امام مسلم کا بیان ہے کہ امام بخاری جس شان کے ساتھ نیساپور میں داخل ہوئے، میں نے کسی حاکم، یا کسی اور عالم کی یہ کیفیت نہیں دیکھی، (مقدمہ فتح الباری: ۵۷۸) عباسی خلیفہ ہارون رشید کے اقتدار کا حال یہ تھا کہ ایشیاء، یورپ اور افریقہ میں ان کا جھنڈا لہراتا تھا، ایک بار ہارون رشید کا لشکر رقہ میں مقیم تھا، اتفاق سے اس وقت امام عبداللہ بن مبارک کا بھی وہاں سے گذر ہوا، لوگ ان کے استقبال کو اس طرح اُمنڈ پڑے کہ سارے اُفق پر غبار چھا گیا، اور ابن مبارک کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ایسی کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں، خلیفہ کی ایک باندی نے جب حیرت زدہ ہوکر یہ منظر دیکھا اور معلوم ہوا کہ اتنا بڑا مجمع اپنے آپ خراسان کے ایک بڑے عالم کے لئے جمع ہوا ہے تو بے ساختہ کہہ پڑی: بادشاہت تو اسے کہتے ہیں، ہارون کی بادشاہت بھی کوئی بادشاہت ہے جس کے لئے لوگ سرکاری افسروں کے تحت جمع ہوتے ہیں، (ابن خلکان: ۲۴۸) ہندوستان میں سلاطین ومشائخ کے باہمی تعلقات کی تاریخ پڑھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین کی حکومت زروزمین پر تھی اور علماء مشائخ کی لوگوں کے دلوں پر۔

عزیمت کی راہ

عزیز بھائیو ! دین کے راستہ میں علماء کو بہت سی دفعہ آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے اور ان کو عزیمت کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے، یہ راہ بہت مشکل ہوتی ہے، یہ کانٹوں کا راستہ ہے، پھولوں کی سیج نہیں ہے! جن کے قلوب اللہ کی محبت اور اللہ کی خشیت سے لبریز ہوں اور جن لوگوں نے اپنے مالک سے اپنا تعلق مضبوط کرلیا ہو، وہی اس راستہ پر آبلہ پائی کرسکتے ہیں، سلف کے یہاں اس کی روشن تاریخ موجود ہے، یزید کی طرف سے عمران بن ہبیرہ عراق اور خراسان کا والی مقرر رہا،

اس نے مختلف علماء کو اپنے دربار میں طلب کر کے ان کو حکم دیا کہ وہ یزید کے احکام کی تابعداری کرے، اس موقع پر حضرت حسن بصریؒ نے اس جرأت سے کام لیا کہ فرمایا: یزید کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ کے معاملہ میں یزید سے خوف نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو یزید کے شر سے بچا سکتے ہیں؛ لیکن یزید تم کو اللہ کے قہر سے نہیں بچا سکتا۔(ابن خلکان:۱؍۱۲۸)

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ خلیفۂ عباسی منصور نے آپ کو عہدۂ قضاء کی پیشکش کی، امام صاحب نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس نے قسم کھائی کہ تم کو یہ عہدہ قبول کرنا ہی پڑے گا، امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ میں یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا، ایک درباری شخص نے امام صاحب سے اصرار کیا کہ امیر نے قسم کھالی ہے، آپ نے فرمایا: خلیفہ کے لئے کفارہ ادا کرنا میرے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے، آخر قید کر دیئے گئے، اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہوئی، امام مالکؒ کو ایک دفعہ حکومت کے منشاء کے خلاف فتویٰ دینے کی پاداش میں ستر دُرّے مارے گئے، (ابن خلکان:۲؍۱۶۴) امام احمد ابن حنبلؒ جس ابتلاء سے گذرے، وہ معروف ہے، امام شافعیؒ کی جان بھی دربار خلافت عباسی میں جاتے جاتے بچی، علماء کے یہاں عزیمت اور ثابت قدمی کی یہ کیفیت بعد کے ادوار میں بھی باقی تھی، مولانا شمس الدین رومیؒ اپنے عہد کے قاضی بھی تھے، ان کی عدالت میں مشہور فرمانروا سلطان بایزید نے شہادت دی، تو انھوں نے یہ کہہ کر کہ سلطان جماعت کے پابند نہیں ہیں، اور تارک جماعت کی شہادت مقبول نہیں، گواہی رد کر دی، (شقائق نعمانیہ:۱؍۲۸) سلف صالحین کی عزیمت و استقامت کے ایسے واقعات کے لئے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ کے ''علماء سلف'' اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سے روشنی حاصل کرنی چاہئے۔

عزیزانِ گرامی! ہمیں ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہم انبیاء کے وارث ہیں اور ہماری زندگی صرف ہمارے لئے نہیں ہے؛ بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے؛ کیوں کہ آپ انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی شان یہی ہے: ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (الانعام:۱۶۲) آپ نے سنا ہوگا کہ امام محمدؒ باوجود بیماری، ضعف اور پیرانہ سالی کے مطالعہ اور تحقیق وتالیف میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کی راتیں بھی بیداری میں گزرتی تھیں، جب ان سے ان کے بعض تلامذہ اور محبین نے درخواست کی کہ وہ اپنے آپ کو ایسی مشقت میں مبتلا نہ کریں اور کم سے کم رات میں تو کچھ سو جایا کریں، تو انھوں نے ایک ایسا جملہ کہا،

جس کا طغریٰ بنا کر ہر عالم دین کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے ، انھوں نے فرمایا: ''اُمت یہ سمجھ کر سوتی ہے کہ ان کے مسائل کے لئے محمدؒ جاگ رہا ہے ، اگر محمدؒ بھی سوجائے تو ان کے مسائل کون حل کرے گا ؟ ۔ (بلوغ الامانی فی سیرۃ محمد بن حسن الشیبانی:۵۹،بحوالہ: مناقب الکردری،مفتاح السعادۃ لطاش کبریٰ زادہ:۱/۳۶)

یہ جو کچھ سمع خراشی کی گئی ہے، یہ کلمات محبت ہیں، اگر آپ غور کریں تو محسوس کریں گے کہ ان الفاظ کی سلوٹوں میں درددل چھپا ہوا ہے، جس کا ایک ہی مقصد ہے کہ آپ اُمت کے لئے مفید سے مفید تر اثاثہ بن جائیں اور اس خیال سے آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں کہ :

امیر ! جمع ہیں احباب ، دردِ دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے ، رہے ، نہ رہے

آپ اس ادارہ کے، آپ کے اساتذہ اور مربیوں کے اور ادارہ کے ایک خادم کی حیثیت سے اس حقیر کے لئے سرمایہ گراں مایہ ہیں ، ایک کاشتکار کو جیسے اس کی لگائی ہوئی کھیتی کی سرسبزی وشادابی مسرور وشادکام کرتی ہے، اسی طرح کسی تعلیمی وتربیتی ادارہ کے لئے اس کے دامن تربیت سے وابستہ افراد فرحت وانبساط کا باعث بنتے ہیں؛ اس لئے آپ حضرات کی آمد پر آج ہمیں جو مسرت ہے، اس کے اظہار کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں، فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس جمع ہونے کو قبول فرمائے اور آپ ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ یہاں سے واپس ہوں، جذبۂ عمل آپ کا زادِ سفر ہو، فکر ارجمند اور دلِ دردمند آپ کا رفیق ہو، فراست ایمانی آپ کی سواری ہو، نورِ بصیرت آپ کے لئے مشعلِ راہ کا کام کرے، دُعا آپ کا ہتھیار رہو اور تقویٰ آپ کا لباس ہو، یہاں تک کہ منزل خود بڑھ کر آپ کے قدم چوم لے۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم ۔

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ — **خالد سیف اللہ رحمانی**

۲۰/ فروری ۲۰۱۶ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

• • •

کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی (العالم اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر: 9959897621)